کلام اقبال میں تصورِ معیشت

ڈاکٹر علی محمد
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز
اسلامک یونیورسٹی آف سائنس اور ٹیکنالوجی اونتی پورہ،

معاشیات کا علم مادی ضروریات اور اس کی تکمیل کے ہر پہلو کو اُجاگر کرتا ہے معاشیات نے دورِ حاضر میں انسان کے ہر پہلو کو متاثر کیا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کا حقیقی مقصد ہی معاشیات میں مضمر ہے اسلامی سماج میں معیشت اگر بذاتِ خود مقصد نہیں ہے مگر مقصد تک پہنچنے کیلئے ایک ذریعہ ہے یہ اسلامی سماج کے اہداف میں سے ایک ہدف ہے جو ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہے عصرِ حاضر میں معیشت ہی ایسا محور قرار پایا ہے جس کے اِردگرد انفرادی اور اجتماعی زندگی چکر کاٹتی نظر آتی ہے پندرہویں صدی عیسوی کے وسط کی عام بیداری کے بعد رونما ہونے والی صنعتی انقلاب نے ساری معنوی واخلاقی قدروں کو یکسر بدل کر رکھ دیا لوگوں نے نئی نئی اقتصادی قدریں ڈھونڈھ نکال لی اسکی خاص وجہ مسیحت کے علم برداروں نے مذہبی قدروں کو من مانی طرز پر اپنانے کی ٹھان لی۔ مسیحت ،حکمران اور مالدار طبقوں کی آلہ کار بن گئی سیاسی حالات میں اپنے آپ کو ڈھالنے کیلئے انہوں نے کمزوروں کو طاقتوروں اور غریبوں کو امیروں کے غلام بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی اس طرح وہ دنیائی آسائش سمٹنے کے کام میں جُٹ گئے ۔(۱) ایسے حالات نے لوگوں کے اندر مذہب کے خلاف نفرت پیدا کی اور ردِعمل کے طور پر فکری انقلاب رونما ہوا۔ ان نئے افکار وخیالات سے وہ دینی عقائد اور تصورات کے خلاف بغاوت کا درس دینے لگے اس معاملے میں کارل مارکس، الفرڈ مارشل ،سیلوہ جیز یل اور جوزف شوبینر کے علاوہ اور بھی یورپی آزاد خیال اسکالر ہم آواز ہوئے اُنکا ماننا ہے کہ دولت کا اطلاق ان تمام چیزوں پر ہوتا ہے جو کسی معاشی منفعت کے حصول کا ذریعہ بنیں اور معاشی فائدے کی تعریف یہ قرار پائی کہ انسانی خواہش اور دِلی تسکین جن چیزوں سے پوری ہوجائے اور جن کی مادی حیثیت سے کوئی فائدہ ہو وہی پاک اور حلال چیزیں ہیں (۲) مثال کے طور پر شراب اُن کے درمیان حلال اور جائز اس لئے ہے کہ اس سے انسان کے اندرونی خواہشات کو سکون حاصل ہوتا ہے عورتوں کی نمائش بھی تجارت میں زیادہ نفع بخش چیز قرار پائی کیونکہ اُس سے کشش پیدا ہوجاتی ہے اس طرح اچھے اور بُرے کا معیار منفعت کا وجود اور عدم وجود قرار پایا ہے (۳) علمی نقطہ نظر سے پرکھا جائے تو دورِ جدید کے بعض ماہرینِ معاشیات کے نزدیک منفعت دراصل وہ ہے جو سماج اور معاشرے کیلئے سودمند ثابت ہوا گرچہ عملی زندگی میں اس نظریہ کا اطلاق عمل میں نہیں آسکے مارکس فکری انقلاب کے بعد معاشی فراوانی اور معاشی خوشحالی کو کامیابی کا معیار قرار دیتے ہیں اس نظریہ کو مدِ نظر رکھ کر مختلف یورپی اسکالرس نے معیشت کی تعریف کی ہے اس میں خاصکر مارشل نے اپنی کتاب ’’ معاشیات کے اصول‘‘ میں جو تعریف کی ہے شاید ہی اس سے بہتر کوئی کر سکے وہ رقمطراز ہیں ’’سیاسی معیشت یا علم معاشیات انسانی زندگی کے روزمرّہ کے معمولات کے مطالعہ کا نام ہے یہ فرد اور جماعت کے ان کاموں سے بحث کرتا ہے جن کا تعلق مادی فلاح و بہبود کی خاطر مادی ضروریات کے حصول اور ان کے طریقہ استعمال سے ہے‘‘(۴)
اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''دنیا میں انسانی زندگی پر دو اہم امور اثر انداز ہوتے ہیں ایک تو اس کے معاشی معاملات و حالات اور دوسرا اس کا مذہبی عقیدہ۔ لیکن ان دونوں میں موازنہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان مذہبی عقیدے کے مقابلے میں اپنے معاشی حالات سے زیادہ متاثر ہوتا ہے کیونکہ انسانی اخلاق و عادات پر روز مرّہ کے معمولات اور مادّی منفعت کے حصول سے گہرا اثر پڑتا ہے''(۵)

عصرِ حاضر میں معاشی انقلاب سے انسانی قدریں یکسر بدل گئی اس وقت انسان ایک دوسرے کو ڈالر کے پیمانے سے ناپنے لگا اور سماج کا طریقہ ہی بن گیا کہ سماج میں سب سے بہترین اور اہم وہ انسان ہے جو سب سے زیادہ مالدار ہے بلکہ افلاطون کے الفاظ کے مطابق فضلیت کا معیار ''معرفت الٰہی کے بجائے معاشی خوشحالی بن گئی اس وقت جو اعلیٰ قدریں جاری و ساری ہیں وہ مکمل طور معاشی قدروں کے گرد گھومتی ہیں مادی زندگی کیلئے انسان ہر اُس راستے پر چلنے کو تیار ہے جس سے یہ رتبہ حاصل ہو اس کے برعکس وہ راستے فطرتِ سلیم اور صحیح عقائد سے ہم آہنگ ہیں بلکہ ایک عظیم ماہر معاشیات سیلوہ جیز یل جو اپنے طرزِ فکر میں کما حقہ بے حد معتدل اور اسلام سے قریب تر ہے وہ اپنی کتاب ''فطری نظامِ معیشت'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں

''جب کسی شخص کے اعمال اس کے دینی خیالات سے متصادم ہوں حقیقتً وہ روشن ضمیر ہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اِن خیالات پر نظرِ ثانی کرے کیونکہ ایک خراب درخت بہتریں پھل نہیں دے سکتا اس بنا پر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس انجام بد سے بچنے کی کوشش کریں جس سے ایک مسیحی غربت اور فقر و فاقہ کی شکل میں دوچار ہوتا ہے اور جو اسے عقائد پر عمل کرنے کی وجہ سے معاشی قوتوں اور محرکات سے نپٹنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتا ہے''(۶)

اٹھارویں اور اُنیسویں صدی میں معیشت کے بارے میں مخصوص نظریات رائج تھے اُس وقت معاشیات کو معیشت کہا جاتا تھا یہ وہ وقت تھا جب معاشیات کو ابھی علیحدہ مضمون کی حیثیت حاصل نہیں ہوئی تھی معاشی نظریات یہ تھے کہ معیشت کو منڈیاں چلاتی تھی اور سمجھا تھا کہ ہر چیز کی ایک قدر یا قیمت ہے جس کی وجہ سے معیشت چلتی ہے اور صرف پیداوار طلب و رسد سے جنم لیتی ہے (۷)

صنعتی انقلاب کے نتیجے میں اشیاء کی پیداوار نمایاں حد تک بڑھ چکی تھی اس کیلئے منڈیاں درکار تھی اس بڑھوتری کی وجہ سے مغربی ملکوں میں کشمکش جاری ہوئی جس نے بعد میں نو آبادیاتی نظام کی شکل اختیار کر لی صنعتی انقلاب میں سرمایہ دار طبقہ کو سیاست اور معیشت دونوں میں بالاتر پوزیشن حاصل ہوگئی تھی صنعت و حرفت کے تناظر میں یہ دور ہندوستانی مسلمانوں کیلئے بڑی اہمیت کا حامل ہے مسلم اصلاح کاروں نے بڑی باریک بینی سے اس کا مشاہدہ کیا اور اس کے تدارک کی تدبیریں بھی کی یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے اپنی کتاب ''علم الاقتصاد'' قلم بند کی۔ یہ کتاب اُس دور میں لکھی گئی جب کلاسیکل دور زوال پذیر تھا اور جدیدیت نے اپنے پنجے گاڑ دیئے تھے اس وجہ سے علامہ کی کتاب پر کلاسیکل نظریات کی بہت گہری چھاپ دِکھائی دیتی ہے

برصغیر کے تناظر میں یہ عہد بڑی اہمیت کا حامل تھا خصوصاً ۱۹۲۰ء کے بعد جب تجارت، صنعت و حرفت اور حکومتی اداروں پر ہندوؤں نے غلبہ حاصل کیا اور مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات اُجاگر ہوگئی کہ اُن کو بحیثیت قوم متحد ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے اس کے لیے مسلمانوں کے اندر معاشی قومیت کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا اور بیک وقت مختلف سمتوں سے کوششیں شروع ہوئی (۸) اس معاملے میں علامہ اقبال ایک کثیر الجہت شخصیت کی حیثیت سے سامنے آئے اور انہوں نے معاشی مسائل و

نظریات وخیالات پر گہری اور ناقدانہ نظر سے تحقیق شروع کی (۹)

اقبال نے اپنی کتاب ''علم الاقتصاد'' کی زیادہ اہمیت نہیں دی مگر انہوں نے اپنی نظم ونثر دونوں میں مختلف معاشی حوالوں سے اظہار خیال کیا ہے اُن میں بعض خیالات شاہ ولی اللہ کی معاشی فکر سے جا ملتے ہیں اور تعلیمی نظریات سر سید کے فکر کے حامل تھے بلکہ یوں کہیے اس کی ایک مزید نکھری ہوئی شکل ترتیب دی۔ اصل میں علامہ نے جن معاشی موضوعات کو زیر بحث لایا ہے وہ بڑی اہمیت کے حامل تھے انہوں نے ہندوستانی مسلم کی ابتر حالت کیلئے چار بنیادی عوامل کو ذمہ دار ٹھہرایا (۱) مسئلہ غربت (۲) تصور فقر (۳) مسئلہ ملکیت زمین (۴) سرمایہ داری یا اشتراکیت۔ علامہ اقبال نے مسلہ غربت کی بالخصوص مسلمانانِ ہند کی معاشی بدحالی کو مدنظر رکھ کر اُس کی وجہ اور حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستان میں پھیلی غربت اقبال کے معاشی فکر کا سب سے اہم پہلو رہا ہے یوں تو غربت ہندوستان کی عام پہچان ہے اور مسلمانوں کی عمومی اقتصادی حالت بہت ہی زیادہ ناگفتہ بہ ہے عام غریب مسلمان بہت قلیل اُجرت پر کام کیلئے تیار ہو جاتے تھے مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے (۱۰) مسلمانوں کی اقتصادی حالت کن اسباب وعلل کی وجہ سے ہوئی اس کے پیچھے بین الاقوامی اقتصادی قوتوں کا کتنا ہاتھ ہے اور کس حد تک اہل ملک کی اپنی کمزوریاں ذمہ دار ہیں ان تمام امور پر گہرے غور وخوض کرنے کے بعد اُن کی تدارک کا بھی حل بتا دیا (۱۱) اقتصادی زندگی کو بہتر بنانے کیلئے مسلمانوں کے اندر رائج معاشی تفاوت کو ختم کرنا ضروری تھا (۱۲) اگرچہ اقتصادی حالت بہتر بنانے میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمان کے حصّے میں اضافہ بھی ضروری ہے (۱۳) لیکن اجتماعی خوش حالی اُسی وقت ممکن ہے جب اقتصادی آزادی نصیب ہو (۱۴) اقتصادی بدحالی کا واحد علاج تعلیم کا فروغ ہے اس نئی صورتِ حال میں اقبال نے اپنے ہم وطنوں کیلئے ایک نئی راہ تجویز کی ہے جو ایک نئے بلکہ ڈارون کے بقائے اصلح کے تصور سے ملتی جُلتی ہے (۱۵) اس مُقصد کو حاصل کرنے کیلئے تعلیم کا فروغ انتہائی ناگزیر ہے ان کا ماننا ہے کہ معاشی بدحالی کی وجہ تعلیم کی کمی ہے تعلیم اور اقتصادی ترقی لازم وملزوم چیزیں ہیں (۱۶) اس لئے اصل غربت جدید صنعتی اثاثوں کی نہیں بلکہ ذہنی قوتوں کی قلت ہے تعلیم، تجربہ، تکنیکی مہارت، دلائل اور مشاہدات کا استعمال اور فرائض کو ٹھیک طرح انجام تک پہچانے کا جذبہ ایسے عوامل ہیں جو بغیر کسی خارجی سہارے کے معاشرے کو خود بخود سیدھی راہ پر لے جاتے ہیں تعلیم سے جدوجہد کی کارکردگی اور استعداد کار بہتر ہوتی ہے اور نئی ایجادات واختراعات کی راہ کھلتی ہے اس کے ذریعہ سے قدرتی وسائل سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے وسائل کی موجودگی بھی بے معنی ہو جاتی ہے جب اُن سے فائدہ اُٹھانے کیلئے تکنیکی مہارت اور اعلیٰ تجربہ کار موجود نہیں ہیں (۱۷) اقبال کے نظر میں تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت وحرفت کی یکساں ترقی بھی ضروری ہے اس کے برعکس ترقی اور خود انحصار ناممکن ہے یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ صنعت وحرفت ہی معاشی ترقی کو مضبوط اور معنی خیز بناتی ہے (۱۸) معاشی آزادی پر زور دینے کی وجہ یہ تھی کہ علامہ اقبال کے نظریئے میں اقتصادی اور صنعتی ترقی ہی دراصل سیاسی آزادی کی راہ فراہم کرسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کیلئے بالخصوص انہوں نے تجویز پیش کی کہ انہیں ادب اور فلسفے کے ساتھ ساتھ تکنیکی علم سیکھنا انتہائی ناگزیر ہے

بدست ادا گردادی ہنر را   ید بیضا است اند راتشینش (۱۹)

معاشی ترقی محض سرمایہ میں اضافے کا نام نہیں ہے اور نہ ہی محض جزوی تبدیلیوں کا نام ہے بلکہ حقیقت پسندانہ اور انقلابی تبدیلیوں ہی معیشت کی ضرورت پوری کرسکے گی (۲۰) اس حوالے سے اسلام کا کردار خصوصی اہمیت کا حامل ہے اقبال کو اس

بات پر سو فیصد یقین تھا کہ اسلام ہی دنیا کے کسی بھی طبقے کو بدل سکتا ہے اسی وجہ سے اقبال نے کہا ''تم اپنے اندر جو اعتقاد رکھتے ہو وہ فرد کی اہمیت کے قائل ہیں اس کے برعکس انسان اس بات کیلئے کوشش کرے کہ انسانیت کی خدمت کر سکے اس لیے مسلمان جس تقدیر کی بات کرتا ہے اس کے امکانات ابھی پوری طرح وجود میں نہیں آیا وہ اب بھی ایک نئی دنیا پیدا کر سکتا ہے جہاں ذات، رنگ یا دولت کے پیانے سے اس کی عظمت کو ناپا نہیں جاتا بلکہ اس طرزِ زندگی سے جہاں غریب و امیر پر ٹیکس اُس کی معیار کے مطابق لگاتے ہیں جہاں انسانی سوسائٹی شکم کی مساوات پر نہیں بلکہ روح کی مساوات پر قائم ہے'' (۲۱)

اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں میں جس اقتصادی جدوجہد کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی وہ روایتی اقتصادی تصور کو منہدم کر دیتی ہے کیونکہ اُس کو تقدیر کا نوشتہ سمجھا جاتا تھا اصل میں کاہلیت کو تقدیر سمجھ کر مسلمانانِ ہند نے فقر و افلاس کو مقدر مان رکھا تھا اس لئے اقبال نے تقدیر کے جداگانہ تصور کی مدد سے یہ پیغام دیا کہ ''ہم زمانے کی حرکات کا تصور ایک پہلے سے کھنچے ہوئے خط کی شکل میں نہیں کریں گے کیونکہ یہ خط ابھی کھینچا جا رہا ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ امکانات جو ہو سکتے ہیں وقوع میں آئیں یا نہ آئیں (۲۲) اس تقدیری نظریہ کو اقبال اشعار کے طرز پر بیان کر کے اس انداز سے وضاحت کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز طے شدہ نہیں ہے جس کو تبدیل نہ کیا جا سکتا ہے

گر ز یک تقدیر خوں گردد جگر خواہ از حق حکم تقدیرِ دگر
تو اگر تقدیرِ نو خواہی رواست زانکہ تقدیراتِ حق لا انتہا است (۲۳)

اگر انسان کے اندر حوصلہ اور جذبہ جدوجہد زندہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نعمتوں کو کہیں بھی پا سکتا ہے وہ جمود کا شکار نہیں ہو سکتا وہ لا تعداد تقدیرات اور حکمتِ خداوندی سے جو چاہے طلب کر سکتا ہے

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ خالی رکھی ہے خامہ حق نے تیری جبیں
جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے اے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے (۲۴)

اسلام کے معاشی نظام کے مثبت معاشی مقاصد میں غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقعہ فراہم کرنا ہے اسلام سب کیلئے حصول رزق کے مواقعہ فراہم کرتا ہے اور مثبت طور پر ایسی حکمت عملیاں بنانے کی تاکید کرتا ہے جس سے غربت و افلاس ختم ہو اور انسان کی بنیادی ضروریات لازماً حاصل ہوں اسلام محض افلاس، غربت، معیار زندگی کے گرنے کے خطرات اور قلتِ وسائل کے طریقے اپنانے والی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا ہے بلکہ حالات کو بدلنے کیلئے یہ شرط بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ انسان کو مسئلہ غُربت ختم کرنے کیلئے اپنی ذہنی کاہلیت کو بدلنا از حد ضروری ہے اسی لیے اقبال کو یہ پختہ یقین تھا کہ انسان اگر خود بدل گیا تو وہ اپنی دنیا تبدیل کر سکتا ہے

رمز باریکش بحرفے مضمر است تو اگر دیگر شوی او دیگر است (۲۵)

دوسرا اہم پہلو جو برصغیر کے مسلمانوں کو اندر ہی اندر کاٹ رہا ہے وہ معاشی تنگ دستی اور پریشان حالی ہے جس کو تصور فقر کہا جاتا ہے اقبال کے ذہن میں فقر اور استغناء ہم معنی الفاظ ہیں وہ اس استغنائی کو بے رغبتی سے مراد لیتے تھے جو ارادی ہے اضطراری نہیں (۲۶) اقبال کے تصور فقر کے علمبردار سوشلسٹ اور مادہ پرست لوگ نہیں کیونکہ وہ اصلیت سے ہٹ کر دنیا پرستی کے متلاشی ہیں بلکہ وہ لوگ اس کے علمبردار ہیں جو حُب اللہ کے متلاشی ہیں وہ دنیا میں روزگار کو زندگی کا اصلی مقصد نہیں مانتے ہیں بلکہ

اصلی مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ مانتے ہیں کیونکہ یہی چیز سکونِ قلب اُجاگر کرتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں ناپید ہے اس کے علاوہ سرمایادارانہ نظام اور اشتراکیت دونوں اخلاقی احساس سے محروم ہیں اخلاقی اقدار کی عدم موجودگی میں اعلیٰ مقاصد نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور پست مقاصد بالخصوص مال اور دولت کی لالچ و ہوس انسان کا حصول زندگی جو کہ حصول زر کے سوائے کچھ نہیں رہتا ہے اسی لئے اقبال معاشرے کو اس معاشی انارکی سے بچانے کیلئے خودی کا درس دیتے تھے وہ زریعنی دولت کی اندھی ہوس اور اس کیلئے دوڑھ کا خاتمہ چاہتے تھے (۲۷)

انسان کے اندر رزق کمانے کی صلاحیت میں فرق ایک بدیہی حقیقت ہے تاہم ناسور تب شروع ہوتا ہے جب دولت کمانے اور دولت کی گردش کو روک کر بالائی طبقہ تک محدود کی جاتی ہے تو اس طرزِ سے معاشرہ دوحصّوں میں تقسیم ہو جاتا ہے ایک دولتمند طبقہ اور دوسرا مفلس طبقہ۔ اگر اہل دولت اپنی دولت کو راہِ خدا میں کُھلا رکھ دیتا ہے تو اس سے معاشرے میں تقسیم دولت مساوی کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور بہت سی اخلاقی بُرائیاں جڑ سے ناپید ہو جاتی ہیں ایسا نہ کرنے سے لمز ورطبقہ سرما

اگر چہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات　　　جو فقر سے میسر تو نگری سے نہیں (۲۸)

محروم خودی سے جس دم ہوا فقر　　　تو بھی شہنشاہ میں بھی شہنشاہ (۲۹)

جب ہم پاک یعنی حلال زر کا نفاذ عمل میں لائیں گے تو زمین کی ملکیت کے اسلامی قانون کا نفاذ بھی عمل میں لانا ضروری ہے اس وجہ سے زمین کی ملکیت کا شرعی تصور کا ادراک بھی ضروری ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں سب سے زیادہ اہمیت نجی ملکیت کو دیا جاتا ہے جب کہ اشتراکیت میں ریاستی ملکیت کا تصور کارفرما ہے ایک تصور حوس وحرص کا مادہ انسان کے اندر پیدا کرتا ہے تو دوسرا کاہلیت کا مادہ پیدا کرتا ہے اس سے کام کی صلاحیت انسانی طرز بنیادوں پر ممکن نہیں ہے اس لئے اسلام جس طرز عمل کو اپنانا چاہتا ہے وہ انسانی بقاؑ کیلئے ایک جامع اور صحیح طریقہ ہے

متعدد احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زمین کی ملکیت اُس وقت برقرار رہے گی جب انسان جس کے تصرف میں وہ ہے اُس کو کاشت کیلئے استعمال کرے گا اور معاشرے کو اُس سے فائدہ ہوسکتا ہے حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس زمین ہو وہ یا تو کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ دے دے لیکن اگر وہ نہیں دینا چاہتے تو اپنی زمین روکے رکھے۔

لیکن دوسری حدیث میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ابو سعید الخدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنۃ اور محاقلۃ سے منع فرمایا ہے مزابنۃ سے مراد درختوں پر کھجوروں کی خریداری اور محاقلۃ سے مراد زمین کا کرایہ ہے (صحیح مسلم)

جہاں تک زمین کی نجی ملکیت کا تعلق ہے قرآن مجید میں اس کے حق میں ٹھوس شواہد نہیں ملتے ہیں البتہ شریعت اسلامی اس بات میں پوری واضح ہے کہ جو شخص مردہ زمین کو زندہ کرے تو یہ اس کی ملکیت ہے اسی طرح اگر کسی نے صحیح طریقے سے زمین خریدی تو یہ بھی اس کی ملکیت ہے مگر کسی بھی شخص کیلئے زمین کی ملکیت بنیادی طور پر اس بنا پر قرار پائے گی کہ وہ اس میں پیداوار اُگا کر کے اس سے انتفاع کر رہا ہے نہ کہ محض اس وجہ سے کہ وہ اس کا مالک ہے اگر غور کیا جائے تو اسے بالکل آزادانہ تصرف حاصل نہیں ہے بلکہ اسے اسلامی نظام اور اس کے مقررہ اصول وضوابط کا پابند ہونا پڑے گا اس تناظر میں برصغیر کی زمین کی نجی ملکیت کے بارے میں متعدد علماءٔ کرام نے ہندوستان میں فتوٰی صادر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اراضی ہنداشخاص کی ملکیت

نہیں بلکہ وقف للمسلمین کی حیثیت میں ملکیت خداداد ہے اسی زمین کو فقہی اصطلاح میں ارض الحوازہ کہا جاتا ہے اس کے تواریخی شواہد موجود ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ارض عراق کے متعلق ایسا فیصلہ کیا تھا کہ یہ ملکیت وقف للمسلمین ہے اور شیخ جلال الدین تھا نسیری نے اپنے رسالہ تحقیق اراض ہند میں اراضی ہند کو بیت المال کی ملکیت قرار دیا تھا اس کے بعد بہت سے علماء کرام جن میں خاصکر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے فتاویٰ میں واضاحت کرتے ہوئے کہا اراضی ہند بیت المال کی ملکیت ہے اوراس کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض عائد ہوتی ہے(۲۴)اس انداز سے دیکھا جائے علامہ اقبال اسلاف کی فکر کے امین ہیں جوزمین کو نجی ملکیت کے بجائے اراضی المملکۃ قرار دیتے ہیں

وہ خدایا! یہ زمین تیری نہیں، میری نہیں! تیرے آبائی نہیں، تیری نہیں میری نہیں(۳۱)

علامہ اقبال کا مدعا سمجھنے کیلیے ملکیت اور متاع میں فرق کرنا از حد ضروری ہے اگر تصور ملکیت کو اپنی اصل میں دیکھا جائے تو یہ اپنے قبضہ اختیار میں لینے کے ہیں اور متاع کی معنٰی دراصل سامان گزر بسر اور پونجی کے ہیں تو قرآنی تصور متاع درحقیقت زندگی گذارنے کیلیئے سامانِ ضرورت ہے(۳۲)

اس لئے قرآن کے آفاقی اصولوں پر نظر ڈالی جائے تو ملکیت درحقیقت اللہ کی حاکمیت کلی ہے اور انسان کو جو حق جائنداد عطا کیا گیا وہ امانت ہیں اقبال نے اپنی شہرآفاق کتاب جاوید نامہ کے ایک نظم ''ارض ملک خدا است'' میں اس تصور کی بہت خوبی سے وضاحت کی ہے اس میں موجود تمام چیزیں اللہ کی عطا کردہ ہیں تو انسان محض تمتع کا حق رکھتا ہے

هم چناں ایں بادوخاک وابروکشت باغ دراغ وکاخ وکوے وسنگ وخشت
اے کہ می گوئی متاع ماز ماست مردِناداں ایں ہمہ ملک خداست
ارض حق راارض خوددانی بگو چیست شرح آئیہ لاتفسدو!
ابن آدم دل بابلیسی خودنبرد اے خوش آن کوملک حق باحق سپرد(۳۳)

سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیاد لامحدود نجی ملکیت اور منافع کے حق، کھلی منڈی کے تحت مقابلے اور حکومت کی کم سے کم مداخلت کے اصولوں پر رکھی گئی ہے یہ نظام ہر قسم کی اخلاقی قدروں سے ماوراٗ ہے اور جہد للبقا کے اصول پر استوار ہے اقبال کی نظم ونثر دونوں اس امر کی شاہد ہیں کہ انہیں یہ نظامِ فاسدہ پسند نہیں ہے کیونکہ اس نظام سے امیر لوگ غریبوں کو غلام بنادیتے ہیں اس میں کسی قسم کی کوئی خصوصیت نہیں ہوتی ہے ہر شعبے کے بالا دست افراد دیگر لوگوں کا گلہ گھونٹتے ہیں جاگیردار، دہقان کو اپنا غلام سمجھتا ہے اور یہ تاثر دیتا ہے کہ وہ اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ہے اسی طرح سرمایہ دار مزدور کو پیتا ہے اس طرز زندگی سے غریب طبقہ مختلف آقاؤں کے درمیان حقیقی سے شکوہ کرتا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد محض تن کی خاطر جدوجہد کا نام رہ جاتا ہے

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے قبض کی روح تیری دے کے فکرِ معاش(۳۴)

سرمایہ دارانہ نظام جس قسم کے حالات پیدا کرتا ہے اس کی خدوخال اقبال یوں پیش کرتا ہے

حکمتِ اربابِ لیں مکراست وفن مکروفن؟ تخریب جان تعمیرِتن!
حکمتے ازبندِ دین آزادۂ ازمقام شوق دورافتادۂ
مکتب از تدبیراوگیرد نظام تابکامِ خواجہ اندیشہ غلام!

ملتے خاکستر او بے شرر　　صبح او از شام او تاریک تر

ہر زماں اندر تلاش ساز و برگ　　کار او فکر معاش و ترسِ مرگ (۳۵)

سرمایہ درانہ نظام میں انسان دوسرں کے خوابوں کا خوں کر کے بغیر پرواہ کیئے آگے نکل جاتا ہے وہ انسان کے جسم کے ہر قطرہ زندگی کو چوس کر کے خالی ڈھانچہ چھوڑ دیتا ہے اس نظام کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے وہ پھول سے اس کا رس چوس لیتی ہے جس کے نتیجے میں پھول کی شاخ، رنگ، پتے وغیرہ تو رہتے ہیں لیکن جسم سے روح خالی رہتی ہے

ہم ملوکیت بدن را فربہی است　　سینۂ بے نور او از دل تہی است

مثل زنبورے کہ بر گل می چرد　　برگ را بگزارد و شہدش برد

مرگ باطن گرچہ دیدن مشکل است　　گل مخوان او را کہ در معنی گل است (۳۶)

اقبال دنیائی انسانیت کو جدید تثلیث کی استحسالی نظام سے نجات دِلانا چاہتے ہیں اس مین سرمایہ داری، مذہبی پیشویت اور اربابِ حکومت شامل حال ہیں وہ سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے ہی کے نہیں بلکہ عام و مکمل صورت حال میں تبدیلی کے خواہاں ہیں

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو　　کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقین سے　　کنجشک فرومایہ کو شاہین سے لڑا دو

سلطانیِ جمہور آتا ہے زمانہ　　جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مِٹا دو

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے　　پیران کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو (۳۷)

اقبال اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اشتراکیت کا بھی سہارا لینے کیلئے مجبوریت تصور کرتا ہے مگر اس اشتراکی نظام میں بھی وہ دم خم نظر نہیں آتا ہے جو وہ اسلام کے طریقہ جدو جہد میں دیکھتا ہے اس جدو جہد کا جو نقشہ اقبال نے کھینچا اُس کو رحیم بخش شاہین یوں پیش کرتا ہے ''اس شہر میں علم کا مقصد روحانی و اخلاقی معراج کا حصول ہے اس شہر میں سرمایہ پرستی، خودغرضی اور انسانی محنت کا استحصال نہیں ہے۔ مزدور، سرمایہ دار کے استحصال سے آزاد ہے''

چونکہ اقبال سرمایہ داری نظام کے خلاف تھے اور وہ ملوکیت کو سرمایہ داری کی بنیاد قرار دیتے تھے اُس کا ماننا ہے کہ جب تک ملوکیت ختم نہیں ہوجائے گی دنیا سے غربت کا خاتمہ نہیں ہوسکتا ہے اس لئے جن لوگوں کے ذہن میں یہ بات سرایت کرگئی کہ علامہ اقبال اشتراکیت کے حامل ہیں اور وہ اس کا عملی نفاذ چاہتے ہیں وہ صراحتاً غلط فہمی کے شکار ہیں اقبال نے جاوید نامے میں اشتراکیت کے علم برداروں کو بذریعہ افغانی یہ پیغام پہونچانا چاہتا ہے کہ اشتراکیت کی طرح اسلام بھی ملوکیت، قیصریت، کلیسائیت، مذہبی اجارہ داری، سرمایہ داری، جاگیرداری اور زمینداری کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اسلام ابتدأ سے مساوات کا حامل ہے جیسے آج اشتراکیت مساوات کے متحمل ہے دونوں مفلسوں، ناداروں اور غریبوں کی کفالت چاہتے ہیں اس مساوات کے بعد جو بات اہمیت کی حامل ہے وہ روسیوں کو خطاب کر کے اُن کو ہمت دِلاتا ہے کہ اس مساوات کیلئے اگر وہ ایک قدم آگے بڑھیں اور سچے خُدا پر ایمان لے آویں تا کہ دنیا کو ایک مستحکم نظام فراہم ہوجائے گا۔ اس لئے اگر تم لا اِلہٰ کے بعد اِلاَّ للہ کے قائل نہیں ہیں تو کوئی مستحکم نظام دینے سے آری رہو گے

اے کہ می خواہی نظام عالمے　　　　　جُستہ ادرا اساسِ محکمے (۳۸)

اس نظام کے حصول کیلئے اقبال نے روسیوں کو قرآن کریم سے تعلیمات حاصل کرنے کو کہا کیونکہ اسلام نے سودخوری اور سرمایہ داری کے حق میں پیغام مرگ اور مزدوروں کے حق میں ایک نئی اُمید جگا دی۔ اقبال کو قرآنی تعلیمات کا اتنا زیادہ اثر تھا کہ انہوں نے کھل کر سرمایہ داری اور جاگیرداری کو انسان دوستی، مساوات اور تقوٰی و نیکی کے مقام کے خلاف قرار دیا

چیست قرآن؟ خواجہ را پیغام مرگ　　　　　دستگیر بندۂ بے ساز و برگ

ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو　لَنْ تَنَا لُوْ الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْ (۳۹)

اقبال کا ماننا ہے کہ کاشت کار، زمینداروں کے جبر و ظلم سے محفوظ رہے، سائنسی ترقی کا مقصد انسانیت کی فلاح و بہبود اور مکمل امن و امان ہے ہر شخص کو فکر و عمل کی آزادی حاصل ہے اس شہر میں فرد اور معاشرے کے حقوق و فرائض میں بے مثال ہم آہنگی ہے اخوت و بھائی چارہ معاشرے کی پہچان ہے یہی خصوصیات صرف اور صرف اسلامی بنیادوں پر قائم ہونے والے معاشرے اور معیشت میں ممکن پذیر ہیں

علامہ اقبال زندگی کو اسلامی نقطہ نگاہ سے دیکھ رہا ہے اگرچہ ہیگل کی طرح اقبال کا تصور زندگی بھی ارتقاً پذیر ہے تاہم ایک ازلی فرق دونوں کی نقطہ زاویہ میں ہے ہیگل تاریخ عالم روح مطلق کو نمائش گاہ کے مانند مانتے ہیں اُن کے نزدیک انسانی صلاحتیں یہاں تک کہ تمام انسان روحِ مطلق کی آلہ کار رہے اس کے علاوہ ہیگل کے نزدیک اس کشمکش کا نتیجہ بقائے اصلاح ہے اس کے برعکس اقبال کے نزدیک کشمکش کی اصل بنیاد حق و باطل کی کشمکش ہے۔

اقبال کے نزدیک انقلاب کا بنیادی مقصد انسانوں کو غلامی سے نجات دِلانا نہ کہ حکمرانوں کی تبدیلی یعنی نظامِ کائینات کو ایک خطہ سے دوسرے خطہ سے تبدیل کرنا بلکہ اللہ کے قانون کی حکمرانی جس کا نتیجہ اُن کی حلال و حرام کردہ حدود کا تعین اور جاری کرنا۔

تا ندانی نکتۂ اکلِ حلال　　　　　بر جماعت زیستن گردد وبال (۴۰)

اسی قانون کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان معاشی لحاظ سے کسی کا محتاج نہیں ہوگا

کسی نہ گردد در جہاں محتاج کس　　　　　نکتۂ شرح مبین ایں است وبس (۴۱)

اخلاقی قدروں سے جب انسان آراستہ ہوگا جو کہ خُدا کو تسلیم کرنے کا لازمی نتیجہ ہے تو معیشت انفاق فی سبیل اللہ کے معاشی مدد کی بدولت مالا مال ہوگی۔

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک　　　　　اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار (۴۲)

ہندوستانی مسلم سماج کو اُنیسویں صدی کے وسط میں جو معاشی مشکلات درپیش تھے وہ آج بھی ہندوستانی مسلم سماج کو درپیش ہیں۔ علامہ اقبال نے اس حوالے سے جس تدبرُ اور تفکر اور محققانہ انداز سے اس کی بنیادی وجوہات کو عام مسلم کے سامنے کھل کر سامنے لائے وہ قابل تحسین ہے۔ وہ معاشی اصلاح کو کلیدی اہمیت دے رہے تھے اُن کا سو فی صد ایمان تھا کہ جب تک مسلم قوم معاشی بدحالی سے نجات حاصل نہیں کریں گے وہ سیاسی تبدیل لانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے انگریزوں کے سفاک طریقے اور بعد ازاں ہم وطنوں کے من مانی طریقہ کار نے مسلم سماج کو معاشی بدحالی کے بدترین اندھیرے میں دھکیل دیا۔ اس لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مسلم سماج کو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف یک جھٹ ہو کر اور انفاق فی سبیل

اللہ کے طرز پر معاشی تصور کیلئے کام کرنا موت وحیات کی اہمیت رکھتا ہے۔

REFERENCES

١ . محمود ابو السعود؛ اسِلامی معیشت کے بنیادی اصول، الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمَات الطلابیة ، کویت،ص: ١٥-١٨

۲۔ایضاً؛۲۰-۲۱

۳۔ M Aziz : An Islamic Perspective of Political Economy: The Views of (late) Muhammad Baqir al-Sadr, al Tawhid Islamic Journal, vol. X, No. 1 Qum, Iran, P:6

۴۔Alfered Marshall, Principles of Economy , Cosmic Ins. USA, 2006 ,V:1,P:10

۵۔ ایضاً:۔ص،۱۵

۶۔ Silvio, Gesell; Natural Economic Order, San Antinio, Tex. : Free-economy publishing co., 1936,P:36

۷. محمود ابو السعود؛ اسِلامی معیشت کے بنیادی اصول، الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمَات الطلابیة، کویت،ص: ١٩-٣

۸ Nureen Tahla: Economic factore in the Making of PakistanOxford university Press, Karachi, 2000, PP:90-91

۹۔ علامہ محمد اقبال:علم الاقتصاد، دیباچہ از انور اقبال قریشی،iv to xi

۱۰۔ سیدعبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی، مقالات اقبال، مرتبین، طبع دوم، آئینہ ادب، لاہور،۱۹۸۲ء ص:۱۸

۱۱۔ ایضاً،ص:۱۸۲-۱۸۰

۱۲۔ ایضاً ،ص:۱۸۱

۱۳۔ ایضاً،ص:۸۲-۱۸۱

۱۴۔ ایضاً،ص:۱۶۴

۱۵۔ قاضی جاوید، سرسید سے اقبال تک، تخلیقات، لاہور،۱۹۹۸ء ص:۲۱۴

۱۶۔ علامہ اقبال:علم اقتصاد، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور،۲۰۰۴، ص:۵۹-۱۵۸

۱۷۔ ایضاً،ص:۵۹

۱۸۔ Meier Baldwin,Et.al, Economic Development, Theory, History,Policy,Asia Publishing House, Bombay, 1962 P:12

۱۹۔ علامہ اقبال،کلیات اقبال (فارسی) ارمغان حجاز) ،ص:۹۸۲

۲۰۔ E.D. Domer, Economic Growth: An Economic Approach, American Economic Review, Vol. XVII, No.2, May 2591, P:18

۲۱۔ لطیف احمد خان شیروانی؛ حرفِ اقبال، مرتب ومترجم، علامہ اقبال، اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء ص: ۶۵-۶۶

۲۲۔ Allama Iqbal; Reconstruction of religious Thought in Islam اردو ترجمہ، نذیر نیازی، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ص: ۸۴

۲۳۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (فارسی) جاوید نامہ، ص: ۶۹۵/ ۱۰۷

۲۴۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (اردو) ضرب کلیم، ص ۶۳۸/ ۶، ۱۷، ۵۱۵/ ۵۳

۲۵۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (فارسی) جاوید نامہ، ص: ۶۹۵/ ۱۰۷

۲۶۔ پرفیسر اسلوب احمد انصاری، مطالعہ اقبال کے چند پہلو، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۸۶ء ص: ۶۳

۲۷۔ فاروق عزیز، اقبال کے معاشی افکار، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۴ء ص: ۲۸

۲۸۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (اردو) ضرب کلیم، ص: ۴۰۵/ ۱۹

۲۹۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (اردو) ضرب کلیم، ص: ۵۲۶/ ۱۴۰

۳۰۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاردی؛ اسلام کا اقتصادی نظام، طبعد وم، ادارہ فروغ اسلام، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص: ۱۴-۴۱۱

۳۱۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (اردو) بال جبریل، ص ۳۴۰/ ۱۰۰

۳۲۔ رحیم بخش شاہین، اقبال کے معاشی نظریات، گلوب پبلیشرز، لاہور ۱۹۷۴ء ص: ۸۵

۳۳۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (فارسی) جاوید نامہ، ص: ۲۹۷/ ۱۰۹

۳۴۔ کلیاتِ اقبال، اردو (ضرب کلیم)، ص: ۴۷۵/ ۱۷

۳۵۔ کلیات اقبال، فارسی (پس چہ باید کرد، ص: ۱۲-۸۱۱/ ۱۶-۱۵

۳۶۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) (جاوید نامہ)، ص: ۶۵۲/ ۶۴

۳۷۔ کلیات اقبال، اردو (بال جبریل) ص: ۳۳۰-۳۳۱/ ۹۰-۹۱

۳۸۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) (جاوید نامہ)، ص: ۶۶۷/ ۷۹

۳۹۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) (جاوید نامہ)، ص: ۶۶۸/ ۸۰

۴۰۔ ایضاً: ص ۸۲۶/ ۳۰

۴۱۔ ایضاً ۸۲۸/ ۳۲)

۴۲۔ ضرب کلیم ۵۰۱/ ۱۱۵